مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر

تہذیب مغرب، زوال واضمحلال کے آخری مرحلہ میں

روزنامہ جنگ لندن کی ایک خبر کے مطابق برطانوی حکومت جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار سے نمٹنے کے لیے پولیس میں مزید دس ہزار افراد کا اضافہ کر رہی ہے تاکہ جرائم پر قابو پایا جائے ایک اور تجویز کے مطابق پولیس فورسز کو از سر نو منظم کرنے پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔

برطانوی وزیر اعظم جان میجر نے بھی برطانیہ میں سنگین جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور سخت ترین کارروائی کے لیے کہا ہے۔ حزب اختلاف نے بھی برسر اقتدار حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ خوفناک حد تک جرائم میں اضافہ پر قابو پانے کے لیے انقلابی اقدام کرے۔ برطانوی وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ نوعمر بچوں کا سنگین ترین جرائم کا ارتکاب پریشان کن صورت حال ہے۔

اور ملک کے بیشتر عوام کے لیے جرائم کا اژدھا پریشان کن ہے۔

اس قسم کی خبریں اور اعلانات تقریباً روزانہ اخبارات اور ٹیلیویژن پر سنے اور پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ——— کے مصداق جرائم کی رفتار بھی بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اور برطانیہ کے عوام جرائم کی مسلسل خبروں سے بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ یورپ کے عوام بھی اس سے محفوظ نہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں بھی حرام ہو چکی ہیں اور جرائم کے بڑھنے سے ان کا سکون بھی لٹ چکا ہے۔

برطانیہ اور یورپی نظام معاشرت کا المیہ یہ نہیں کہ یہاں بڑی عمر کے لوگ جرائم میں ملوث ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ نوعمر اور کم سن بچے تک قتل۔ لوٹ مار۔ چوری۔ توڑ پھوڑ اور آگ لگانے تک سے باز نہیں آتے۔ اگر یہ بچے اسکولوں میں ہوں تو اساتذہ کے ساتھ گستاخانہ رویہ۔ اسکول کی عمارت کو آگ لگانا۔ خاتون ٹیچر پر مجرمانہ حملہ اور اسکول کی قیمتی چیزوں کی توڑ پھوڑ ان کے نزدیک کوئی بری بات نہیں۔ تعطیلات کے دن ہوں تو پڑوسی ان کی حرکات سے تنگ رہتے ہیں۔ اس خوف سے گھر چھوڑ کر نہیں جاتے کہ ان کی غیر موجودگی میں کہیں دروازہ نہ توڑ دیا جائے۔ اور قیمتی اشیاء نہ چرالی جائیں۔ گزشتہ دنوں برطانوی ٹیلیویژن کی اہم خبروں میں ایک ۱۲ سالہ لڑکے نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے پچھلے چند ماہ میں تقریباً دو سو سے زائد گاڑیاں چرائیں ہیں۔ اور ان کے شیشوں کو

توڑا ہے۔ ٹیپ اور قیمتی اشیاء اٹھائیں ہیں۔ اس نے رپورٹر کو بتلایا کہ آپ گاڑیوں کو کتنے ہی محفوظ طریقے پر کیوں نہ بند کرلیں اس کے باوجود اسے کھول دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ پولیس نے اسے کئی مرتبہ گرفتار کیا لیکن قانون کی لچک نے اسے رہا ہونے پر مجبور کردیا ہے۔ محلہ میں رہنے والے لوگ جب اس قسم کے نوعمر مجرموں کے والدین سے ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو والدین یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں کہ "ہم کیا کرسکتے ہیں" اسی طرح برطانوی پولیس بھی نوعمر بچوں میں جرائم میں بڑھتی ہوئی رفتار سے گو کافی پریشان ہے لیکن قانون کے آگے بے بس ہے۔ برطانیہ کے سکولوں میں بچوں کی گستاخی اور ان کی شرارت پر بطور تنبیہ کے مارنا ممنوع ہے۔ لیکن اب حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ اراکین پارلیمنٹ اسکولوں میں بچوں کو سزا دینے کی حمایت کررہے ہیں۔ روزنامہ آواز لندن کی خبر کے مطابق۔

> برطانوی اراکین پارلیمنٹ نے اسکولوں میں طلبہ کو سزا دینے کی غرض سے ڈنڈا استعمال کرنے کی حمایت کی ہے ۵ سو کے قریب اراکین پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ ڈنڈے کے استعمال سے خراب اور شرارتی بچوں کو کنٹرول کرنے اور بچوں میں جرائم کا ارتکاب کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ ایک برطانوی سابق وزیر اور موجودہ اسکول کا ہیڈ ماسٹر مسٹر بائسن نے کہا کہ کلاس میں ڈسپلن نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کے جرائم کا ارتکاب کرنے میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ (۱۱ر جولائی ۱۹۹۳ء)

برطانیہ کے تمام مفکرین اور دانشور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ نوعمر بچے جرائم کی دنیا میں بڑی تیزی سے جارہے ہیں لیکن اس خطرناک صورت حال پر قابو پانے کے لیے جدوجہد کرنے والی تمام قوتیں اس نقطہ پر آکر مجبور ہوجاتی ہیں کہ نوعمر بچے قانون کی گرفت میں نہیں آسکتے سو مرتبہ جرم کریں تو بھی محض تنبیہ پر اکتفا ہوجاتا ہے۔ اسی سے اندازہ فرمالیجئے کہ برطانیہ کا مستقبل کس قدر خطرناک ہوگا اور تہذیب یافتہ ممالک کس شرمناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔

برطانوی مفکرین ومبصرین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بچوں میں مجرمانہ افعال اور بداخلاقی و فحاشی کے یہ مضر اثرات برطانوی ذرائع ابلاغ ویڈیو فلموں اور کمپیوٹر کے کھیل نے پھیلا رکھے ہیں۔ برطانوی T-V میں تشدد و عریانی پر مبنی فلمیں عام دیکھی جاسکتی ہیں۔ بچے ویڈیو فلموں کے ذریعہ اس قسم کے مخرب اخلاق اثرات حاصل کرتے ہیں۔ اور کمپیوٹر کھیل کے ذریعہ ان کی عادتیں بگڑتی ہیں۔ برطانوی وزیر صحت کا اعتراف ملاحظہ کیجئے۔

> برطانیہ کی وزیر صحت ورجینا باٹملے نے کہا کہ T-V پر تشدد اور جنسی عریانی کے مناظر بچوں کے ذہنوں پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ چنانچہ والدین کو بچوں کے ہاتھوں مختلف نوعیت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ نئی ٹیکنالوجی کے ذریعہ جنسی بے راہ روی اور تشدد کے مناظر آسانی سے بچوں کو دیکھنے مل جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ والدین کو چاہیئے کہ وہ بچوں کو ٹیلی ویژن پر غیر مناسب مواد نہ دیکھنے دیں۔ (۱۸ اگست ۹۳ء)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرہ کے بگاڑنے میں اور نئی نسلوں کو بداخلاق بنانے اور شرم وحیاء سے خالی کرنے میں برطانوی ذرائع ابلاغ کا خاصا دخل ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود برطانوی حکومت میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ مخرب اخلاق وحیاء سوز پروگراموں کو خلاف قانون قرار دے سکیں۔

برطانوی وزیر صحت یہ تو کہتی ہیں کہ والدین اپنے بچوں کو یہ مواد نہ دیکھنے دیں۔ لیکن یہ کہنے کی فرصت نہیں کہ برطانوی ذرائع ابلاغ اس قسم کے مواد پیش نہیں کرسکتے۔ اور اس کی خلاف ورزی قانوناً جرم ہوگا۔ وہ یہ تو کہتی ہیں کہ "نوعمر مجرموں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ املاک کو تباہ کریں۔ سڑکوں پہ ہنگامہ کریں اور معمر وکمزور لوگوں کو تنگ کریں (۹ جولائی) لیکن ان نوعمر مجرموں کو جس چیز نے جرائم پر ابھارا ہے اور جس پروگرام نے ان کے اخلاق تباہ کئے ہیں اس کے خلاف لب کشائی اور ایسے پروگراموں پر پابندی ان کے بس کا روگ نہیں۔ وہ یہ تو کہتی ہیں کہ ایک ذمہ دار معاشرے کو چاہیئے کہ اپنی نئی نسل کی غلط کاریوں کے رویے پر واضح پابندیاں عائد کرے (ایضاً) لیکن اسکولوں میں مخرب اخلاق وحیاء سوز افعال واسباق کا کلیۃً خاتمہ۔ اور شرمناک اشتہارات ورسائل پر پابندی لگانا تہذیب کے خلاف سمجھتی ہیں۔

نوعمر بچہ ذرائع ابلاغ اور ریڈیو پروگراموں اور اسکولوں میں دی جانے والی جنسی تعلیم کے نتیجے میں معاشرہ کا ہی ناسور نہیں بنے گا اور کیا ہوگا؟ جس بچے کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ مار دھاڑ چوری چکاری اور مجرمانہ سرگرمیوں سے ہی ہیرو بنا جاسکتا ہے تو پھر معذوروں کو نہ ستائے اور کیا کرے۔ عورتوں کی رقم نہ چھینے تو اور کیا ہو۔ دکانوں میں توڑ پھوڑ نہ کرے تو اور کیا کرے۔ وہ جانتا ہے کہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہیرو بننے کی خواہش پوری ہوسکتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ برطانوی تہذیب نہ صرف عقائد کی دشمن ہے بلکہ اخلاق و انسانی حقوق کی بھی سخت مخالف ہے۔ یہ تہذیب انسان کو جانور بلکہ اس سے بدتر بنا دیتی ہے اس تہذیب سے نہ بوڑھے بچتے ہیں نہ بچے۔ نہ برطانوی محفوظ ہیں اور نہ غیرملکی، سب ہی اس تہذیب کی خباثت کی لپیٹ میں ہیں۔ یہ تہذیب اصلاح قلب وفکر کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے اور فساد قلب ونظر اس تہذیب کی اصل جڑ ہے۔

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب ۔۔۔ کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ۔۔۔ ضمیر پاک وخیال بلند و ذوق لطیف

اس تہذیب کا شعار ہی انسانیت کی تباہی۔ اخلاق کی بربادی ہے اور انسانی شرف وعزت کی ہلاکت اس تہذیب میں یقینی ہی ہے۔ اور ایک ہم ہیں جو اس تہذیب پر سوجان سے قربان اور اسے اسلامی ممالک میں درآمد کرنا موجودہ دور کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر یہ تہذیب اسلامی ممالک میں

آگئی تو یہ ملک پوری دنیا میں متعارف ہو جائے گا۔ فالی اللہ المشتکی۔

برطانیہ کے شہر لیڈز میں ایک کورٹ نے اغواء کے ایک ملزم کی سزا پانچ سال سے کم کر کے چھ ماہ کر دی ہے۔ جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ ایک مہذب معاشرہ اتنی سخت سزا کا قطعی متحمل نہیں ہو سکتا (جنگ لندن)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی تہذیب اور برطانوی جج کے نزدیک کسی شخص کو اغواء کر لینا اتنا بڑا جرم نہیں کہ اسے پانچ سال کی سزا دی جا سکے۔ البتہ ایسے مجرم کو پانچ سال کی سزا سنانا اور جیل بھیج دینا مغربی تہذیب اور مہذب معاشرہ کے سخت خلاف ہے اب آپ ہی سوچ لیجئے کہ اس فیصلہ سے مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو گی یا حوصلہ افزائی؟ مجرم میں مزید جرائم کی جرأت پیدا ہو گی یا مجرم کو جرم کے وقت خوف بھی لاحق ہو گا؟۔

اسی تہذیب اور قانون کے نتیجہ میں یورپی معاشرہ میں جرائم کی رفتار برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ جب مجرم کو یہ معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا جرم بھی کر لیا جائے تو قانون اس کی مدد کرے گا اور سخت سزا نہیں دے گا تو وہ کھلے عام جرائم کا ارتکاب نہ کرے تو اور کیا کرے۔

برطانوی قانون انصاف کی اسی نرمی نے برطانوی پولیس کے لیے بھی ایک بڑا مسئلہ پیدا کر رکھا ہے۔ اور آج کل برطانوی قانون انصاف اور برطانوی پولیس کے درمیان سخت معرکہ آرائی شروع ہے۔ برطانوی پولیس کا کہنا ہے کہ وہ بڑی محنت اور مشقت کے بعد خطرناک مجرموں کو گرفتار کرتی ہے اور اسے قانون کے حوالے کر دیتی ہے لیکن برطانوی قانون میں اتنی زیادہ لچک اور نرمی پائی جاتی ہے کہ مجرم بآسانی عدالت سے بری ہو جاتا ہے اور برطانوی پولیس منہ دیکھنے رہ جاتی ہے۔ بلکہ کئی مرتبہ پولیس مجرم کو گرفتار کرنے سے اس لیے ہچکچاتی بھی ہے کہ مجرم کو گرفتار کرنے کے بعد اس کی مکمل فائل بنانے میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے دن عدالت اسے باعزت بری کر دیتی ہے۔ مجرم یا قانون کی نرمی سے فائدہ اٹھا لیتا ہے یا پھر مجرم کی کم عمری اسے سزا دینے میں حائل ہو جاتی ہے۔

۱۲ ستمبر کو TORQUAY شہر میں برطانوی پولیس سپرٹنڈنٹ ایسوسیشن کے زیر اہتمام ہونے والے ایک عظیم اجتماع میں برطانیہ بھر کے پولیس سربراہوں نے کھل کر برطانوی قانون انصاف پر تنقید کی ہے۔ اور عدالتوں کے طریق کار کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اور کہا ہے کہ موجودہ قوانین انصاف انتہائی ناقص ہیں۔ اور یہ فیل ہو چکے ہیں۔ اس قانون سے مجرموں کو جرائم پر آمادہ کرنے کی راہیں کھلتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان میں تبدیلی پیدا کی جائے اور ایسا نظام وضع کیا جائے جہاں مجرموں کے ساتھ سختی سے نمٹا جا سکے۔ برطانیہ کا موجودہ قانون انصاف ملکی سطح پر ایک المیہ سے کم نہیں۔ ابھی مقتول کے ورثاء کے آنسو بھی خشک نہیں ہونے پاتے کہ قاتل کھلے عام پھرتا نظر آتا ہے۔

برطانوی عدالتوں کے باہر کئی مرتبہ مظاہرے بھی ہو چکے ہیں اور حکومت کو متوجہ کرنے کے لیے کئی اہم قرار دادیں

بھی سامنے آچکیں ہیں کہ یہاں مظلوم کے بجائے ظالم کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

روزنامہ انڈی پینڈنٹ لندن کی ۲۲ ستمبر کی اشاعت میں بتلایا گیا کہ برطانوی محکمہ پولیس کے ۲۰۰ سے زائد نمائندوں نے بالاتفاق یہ قرارداد پاس کی ہے کہ موجودہ قانون انصاف فیل ہو چکا ہے۔

THE 200 DELEGATE UNANIMOUSLY PASSED A MOTION THAT THE CONFERENCE BELIEVED THE SYSTEM HAD FAILED THE CITIZENS OF THIS COUNTRY

روزنامہ ٹائم نے اسی دن کی اشاعت میں سرورق پر یہ سرخی جمائی ہے۔

POLICE SAY JUSTICE SYSTEM IS COLLAPSING

پھر تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ برطانیہ کے سیدھے سادے شہری بھی اس کی بھرپور حمایت کرتے ہیں کیونکہ قانون کی اس نرمی کی وجہ سے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ان کے گھر بار توڑے جاتے ہیں۔ بوڑھی عورتوں کو زدوکوب کیا جاتا ہے۔ اور خون میں تڑپتا چھوڑ کر سامان رکھا کر چلے جاتے ہیں۔ برطانوی پولیس آفیسروں نے حکومت کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ موجودہ قانون انصاف میں تغیر و تبدل کرے گا تاکہ یہ نظام صحیح ہو سکے۔ مگر گورنمنٹ کے وزراء اس لیے اس پر توجہ نہیں دیتے کہ انہیں اس پر ایک خطیر رقم صرف کرنی پڑے گی۔

اس کانفرنس میں متعدد ایسے مقدمات پر بھی بحث کی گئی جسے پولیس نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا تاکہ مجرم کو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے مگر عدالتوں کے جج نے موجودہ قانون کی نرمی اور لچک سے فائدہ اٹھا کر مجرم کو باعزت بری کر دیا۔ اور اگر کہیں کسی مجرم کو سزا دینا ہی مجبوری تھی تو اسے "مہذب معاشرہ اور سخت سزا" کے عنوان پر نہایت تھوڑی سزا دے کر فارغ کر دیا گیا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یورپی معاشرہ کے بگاڑنے میں جہاں مغربی تہذیب کو دخل ہے تو ساتھ ہی عدالتوں کا نظام اور قانون انصاف بھی بالکل ناقص ہے۔ اس قانون میں مجرم کے جرم کو دیکھنے کے بجائے معاشرہ کو دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کی سخت سزا اس نام نہاد تہذیب کے خلاف تو نہیں۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس جرم سے معاشرہ میں کتنی بدامنی پیدا ہوئی ہے۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوئی ہیں۔ کتنوں کی خون پسینے کی کمائی لمحہ میں جا چکی ہے؟

حالانکہ اگر مجرم کو اس کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دی جائے تو اس سے خود مجرم کی بھی اصلاح ہوگی اور معاشرہ میں بھی امن و سکون آئے گا۔ جب مجرم کا جرم ثابت ہوگیا تو پھر سزا بھی ایسی دینی چاہیئے جو بیک وقت مجرم کو بھی اپنے جرم سے روک سکے اور معاشرہ میں امن و سکون کے ساتھ ساتھ عبرت کا سامان بھی مہیا ہو سکے۔

جو فرد یا معاشرہ یا قانون مجرم کو سزا دینے وقت یہ پیش نظر رکھتا ہے کہ مہذب معاشرہ اس سزا کا متحمل ہے یا نہیں؛ تو وہ معاشرہ کا بہت بڑا دشمن ہے۔ کہ اس نے فرد کو پورے معاشرہ پر ترجیح دے دی ہے۔ اور ایک کو سزا سے بچانے کے لیے پوری قوم کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ اسی لیے ہر نئی حکومت اور ہر نیا مفکر و دانشور آئے دن قوانین میں تبدیلی کرتا ہے۔ اور اس میں کمی اضافہ کرتا ہے۔ لیکن وہ خود اپنی زندگی ہی میں اپنے بنائے ہوئے قانون کی ناکامی بھی دیکھتا اور اس کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ اور پھر مزید تراجم کا دور شروع ہوتا ہے۔ یوں قانون پر قانون بنتے ہیں۔ مگر معاشرہ کی اصلاح اسی تیزی سے مفقود ہوتی جاتی ہے۔ امریکہ، یورپ اور دنیا کے تمام لادینی ممالک اور ان کے قوانین پر ایک نظر دوڑائیے۔ اور ان ممالک میں سنگین ترین جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار بھی دیکھئے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ تمام قوانین نہ صرف یہ کہ ناقص ہیں بلکہ ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔

ہم دنیا بھر کے تمام مفکرین و دانشوروں سے گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے تمام قوانین کی ناکامی دیکھ لیں ہیں۔ آئیے ان قوانین کو کیوں نہ آزمائیں جو خالق کائنات نے بنائے ہیں۔ اور ان کے نفاذ سے مجرم اور معاشرہ دونوں کا بھلا ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ قوانین پہلے آزمائے جا چکے ہیں۔ اور جن لوگوں نے الٰہی قانون کو عملی شکل دی۔ انہوں نے سکون و اطمینان کی بہاریں بھی دیکھ لیں ہیں۔ آج بھی اگر اسکا کچھ نمونہ دیکھنا چاہیں تو سعودی عرب پر ایک نظر کریں۔ یہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اور جو ممالک مہذب یافتہ ہونے کے مدعی ہیں۔ ان کی جرائم کی شرح بھی سامنے رکھئے۔ یہ حقیقت کھل جائے گی کہ الٰہی قوانین کے عملی نفاذ سے معاشرہ کی اصلاح ہوتی ہے۔ قلب و نظر میں پاکیزگی آتی ہے۔ اور ہر ایک سکون و اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔

ہے کوئی جو اسے بھی پورے اخلاص کے ساتھ آزما کر دیکھے ——— وما علینا الا البلاغ

(بقیہ صـ۱۶ سے)

موضوع پر قلم اٹھایا، ان ساری بحثوں کو علوم قرآن ہی کے دامن میں جگہ ملنی چاہیئے، ایسے ہی اعدائے اسلام نے جو قرآن کے اوپر اعتراضات کئے ہیں اور علمائے اسلام نے ان کے مختلف زبانوں میں جوابات دیئے ہیں۔ یہ ساری بحثیں بھی علوم قرآن سے متعلق سمجھی جائیں گی، اس طرح علوم قرآن کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا یہ علوم قرآن کے متعلق چند سطریں ہیں، اس کا مقصود اس موضوع پر لکھی گئی ساری کتابوں کا استقصار یا احاطہ نہیں ہے، اور یہ اس جیسے چھوٹے مضمون میں ممکن بھی نہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ یہ علم ہم تک کن مراحل سے گذرتا ہوا پہنچا ہے اور علمائے اسلام نے اس ایک موضوع پر کس طرح کتابیں لکھی ہیں، اور امت اسلامیہ کبھی بھی ایسے علماء کرام سے خالی نہیں رہی ہے۔